مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی اُردو خدمات

صوفیہ یوسف

انقلاب ۱۸۵۷ء برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں کئی اعتبار سے بڑا اہم اور دوررس مانا گیا ہے۔ سیاسی اعتبار سے اس کی سب سے بڑی اہمیت یہ تھی کہ اس کے بعد برصغیر پر باقاعدگی سے بدیسی حکومت کا تسلط قائم ہوا اور اس کے نتیجے میں انقلاب نے زندگی کی قدروں کو بدل ہی ڈالا۔ یوں تو ان تبدیلیوں کا اثر پورے معاشرے پر تھا لیکن مسلمان بالخصوص بے حد متاثر ہوئے، انقلاب نے انہیں پامال کر ڈالا اور اس پامالی کا احساس رفتہ رفتہ مسلمان دانشوروں کو ہونے لگا تھا جن میں سیّد احمد سرفہرست ہیں ان کا ذہن جو شروع سے ہی مسلمانوں کی ترقی اور حقوق کے حصول کے لئے سرگرم عمل تھا ان کی مختلف تصانیف اور علی گڑھ تحریک اس کا واضح ثبوت ہے۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ ان کوششوں کو وقت اور حالات کی مناسبت سے مزید منظم انداز میں چلانے کے لئے ضروری ہے کہ ایک انجمن کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایم۔اے۔ا کالج کے قیام کے دس سال بعد ایک انجمن ' آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانگریس ۱۸۸۶ء' کے نام سے قائم کی، جو اپنے نام کے سلسلے میں کئی تبدیلیوں سے گزر کر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے معروف ہوئی۔

سیّد احمد نے کانفرنس کے قیام کے وقت یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اس کانفرنس کا ایک بڑا مقصد مسلمانوں کے منتشر شیرازہ کو یکجا کرنا، ساتھ ہی اس پلیٹ فارم سے انہیں (سیّد احمد) تمام ہندوستان میں اپنی تحریک کی پرچار کا بھی موقع ملے گا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سیّد احمد نے کانفرنس کی بنیاد مسلمانوں کو اُس وقت سیاست سے الگ رکھنے کے لئے ہی ڈالی تھی اس لئے اس کا مقصد صرف تعلیمی رکھا گیا، کیونکہ سیّد احمد اور اُن کے رفقاء کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو سیاسی تحریکات میں شامل ہونے سے پہلے تعلیمی طور پر مضبوط ہونا چاہئے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب اس وقت ساری توجہ تعلیم کی طرف دی جاتی۔

کانفرنس کے قیام سے اس وقت مسلمانوں کی پہلی باقاعدہ انجمن کی بنیاد پڑی[1]۔ ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو اس کے پہلے اجلاس میں سیّد احمد نے اپنی تقریر میں کانفرنس کی اہمیت اور ضرورت کے بارے میں کہا:

> 'اے صاحبو! مسلمانوں کی حالت کا تنزل اب اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ تمام ہندوستان میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ نکلے گا جو اس کو تسلیم اور اس پر افسوس نہ کرتا ہو۔۔۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پولیٹیکل امور پر بحث کرنے سے ہماری قومی ترقی ہوگی میں اس سے اتفاق نہیں کرتا بلکہ میں تعلیم کو اور صرف تعلیم ہی کو قومی ترقی کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ ہماری قوم کو اس وقت بجز ترقی تعلیم کے اور کسی چیز پر کوشش کرنے کی ضرورت نہیں ہے[2]۔

علی گڑھ میں کانفرنس کا صدر دفتر قائم کیا گیا اور اس کی تنظیم کے لئے ملک کے بڑے شہروں اور قصبات میں کمیٹیاں قائم

کی گئیں اسی اجلاس میں کانفرنس کے قواعد وضوابط مرتب کرنے کے لئے ۱۶ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے ۲۸ دسمبر ۱۸۸۶ء کو قواعد وضوابط اور مقاصد کا ڈرافٹ پیش کیا جسے منظور کرلیا گیا۔ کانفرنس کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے:

۱۔ مسلمانوں میں یورپین لٹریچر کے پھیلانے اس کو وسیع حد تک ترقی دینے اور اس میں نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم تک ان پہنچانے کی کوشش کرنا اور ان کا اُردو میں ترجمہ کرنا۔

۲۔ مسلمانوں نے جو قدیم علوم میں ترقی کی اس کی تحقیقات کرانا اور اس کے متعلق اُردو انگریزی میں رسالہ جات تحریر کرانا۔

۳۔ نامی علماء اور مشہور مصنفین اسلام کی لائف (سوانح عمریوں) کو اُردو اور انگریزی میں لکھوانا۔

۴۔ مسلمانوں کی تصنیفات جو نایاب ہیں ان کو بہم پہنچانے کی تدبیر کرنا، تاریخی واقعات اور زمانہ قدیم کی تحقیقات کو شائع کرنا۔

۵۔ بنیادی علوم کے کسی مسئلے یا تحقیقات پر رسالہ تحریر ہونے یا لیکچر دینے کی تدبیر کرنا۔

۶۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے جو انگریزی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے لئے قائم ہیں ان میں مذہبی تعلیم کے حالات دریافت کرنا اور عمدگی سے اس تعلیم کے انجام پانے میں کوشش کرنا[۳]۔

ان مقاصد پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اکابرین کی فکر وعمل کے تین محور تھے جن کے گرد یہ کوشش گردش کررہی تھیں:

۱۔ مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف مائل کرنا۔

۲۔ ان کی ماضی کے سرمایہ کو محفوظ کرنا۔

۳۔ ان کی معاشرت میں اصلاحی اقدام کرنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے مسلمانوں کو ایک ایسا متحد پلیٹ فارم بھی مہیا کردیا جس کی حیثیت کل ہند تھی اور جس میں ہر فرقہ اور ملک کے ہر حصہ کے لوگ مختلف عقائد رکھنے والے اور مختلف زبان والے ایک مشترکہ مقصد کے حصول کی جدوجہد میں شامل ہوگئے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ مسلمانوں کا ایک گروپ ایسا بھی تھا جو اس تحریک کا مخالف رہا اور ان کوششوں کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس مخالفت کے باوجود کانفرنس برصغیر کے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کے ساتھ ساتھ جدید مغربی علوم وفنون کی اسلامی روایات کے ساتھ اشاعت، علوم اسلامیہ تحقیق جدید، مسلمانوں میں معاشرتی اصلاحی اور اُردو ادب کی ترقی کے لئے بھرپور انداز سے کام کرتی رہی۔ چنانچہ ۱۸۸۶ء کے بعد اس کے سالانہ جلسے ہندوستان کے مختلف صوبوں اور شہروں میں ہوتے رہے، اس کی ہی کوشش سے علی گڑھ مسلمانانِ ہند کا تعلیمی اور ثقافتی مرکز بن گیا۔ کانفرنس قیام کے

وقت ہندوستان میں صرف ۴۴ مسلمان اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے جن میں سے ۲۰ علی گڑھ کالج کے طالب علم تھے۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی کوششوں کے نتیجے میں:

۱۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قیام۔

۲۔ کانفرنس کے پلیٹ فارم سے ملک میں بہت سے دوسرے تعلیمی ادارے قائم ہوئے مثلاً علی گڑھ میں مسلم خواتین کے لئے ڈگری کالج، ملک کے مختلف حصوں میں مسلم کالجوں اور اسلامیہ درس گاہوں کا قیام وغیرہ۔

۳۔ انجمنِ ترقی اُردو جس نے اُردو کی عظیم الشان خدمت انجام دی آغاز میں کانفرنس کے زیرِ سایہ ہی پروان چڑھی۔ اس طرح سیّد احمد جدید اُردو نثر کے بانی اور مولانا حالی جدید اور قومی شاعری کے موجد اور حقوقِ نسواں کے علم بردار تھے۔ جدید اُردو صحافت کی بنیاد بھی اسی تحریک کا مرہونِ منت ہے۔

۴۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن اور ڈھاکہ یونیورسٹی کے قیام میں بھی کانفرنس کی کوششوں کا نمایاں عمل دخل تھا۔

۵۔ یونانی طب کی اسی پلیٹ فارم سے اصلاح و تجدید کی تحریک شروع ہوئی تھی جس کا نتیجہ 'طبیہ کالج علی گڑھ، طبیہ کالج دہلی اور طبیہ کالج حیدر آباد دکن' قائم ہوئے۔

۶۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی بنیاد رکھنے والے بھی علی گڑھ کے ہی فرزند تھے۔ اس تحریک کا ایک حصہ ملک کی قومی تحریکات میں حصہ لینے کا حامی تھا اور نیشنلسٹ کہلاتا تھا اس کے سرگردہ رہنماؤں میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، خواجہ عبدالمجید، ڈاکٹر ذاکر حسین اور حکیم اجمل خاں شامل تھے انہوں نے ہی جامعہ ملیہ اسلامیہ قائم کی۔

۷۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جو مدراس عربیہ مستند عالم اور پروفیسر کی مساعی کا نتیجہ تھا یہ ادارہ جدید علوم کی ترویج و تحقیقات اور ان کی اشاعت کے لئے کوشاں ہے۔

۸۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ اور شبلی کالج بھی اس تحریک کے تعاون سے وجود میں آئے تھے۔

۹۔ اس تحریک نے قوم کو محسن الملک، وقار الملک، ڈپٹی نذیر احمد، حالی، شبلی، محمد علی جوہر، شوکت علی، سیّد محمود، مولوی عبدالحق، وحید الدین سلیم، حسرت موہانی، رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر ذاکر حسین اور رفیع احمد قدوائی جیسی قدآور شخصیتیں اور مشاہیر عطا کئے۔

۱۰۔ کانفرنس کے سالانہ اجلاس ملک کے مختلف مقامات پر منعقد کرنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ دور دراز کے مسلمانوں میں جدید تعلیم کی ضرورت کا احساس پیدا کیا جائے اور ہر صوبے کے مسلمان آسانی سے کانفرنس کے اجلاسوں میں شریک ہو سکیں۔ سالانہ اجلاسوں کے علاوہ کانفرنس نے تمام ملک میں دورہ کرنے والے سفیروں اور دوسرے کارکنوں کے ذریعہ بھی مسلمانوں کو تعلیم کی ترغیب دی[۴]۔

کانفرنس نے صرف تعلیمی ترقی کو ہی اہمیت نہیں دی بلکہ اصلاح تمدن کو بھی اپنے فرائض میں شامل کیا:

'تعلیم یافتہ اور روشن ضمیر مسلمان تعلیم کے ساتھ ساتھ متحدہ کوشش ان تباہ کن رسوم اور تمدنی عادات کی اصلاح کے واسطے کریں جو مسلمانوں کو تباہ کرتی ہیں اور شریعت کے خلاف ہیں'[۵]۔

دراصل ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد اقتصادی بدحالی کے ساتھ ساتھ بہت سی اوہام پرستی، تباہ کن رسوم، بیہودہ مشاغل اور ضعف عقائد میں گھر گئے تھے۔ مفلسی کے باوجود نام ونمود کے لئے بے جا اور بے ضرورت رسومات پر روپیہ صرف کر کے اپنی مصیبتوں میں اضافہ کر رہے تھے۔ کانفرنس نے ایک شعبہ 'اصلاح تمدن' قائم کیا[۶]۔ اس شعبہ نے خواجہ غلام الثقلین کی سربراہی میں نہایت مفید لٹریچر شائع کیا اور تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ خراب رسومات کے خلاف احساس پیدا کیا۔ ۱۹۰۳ء میں اس شعبہ نے 'عصرِ جدید' کے نام سے ایک رسالہ بھی شائع کیا۔ اسی شعبہ کا ایک اور رسالہ 'سودمند' سیّد طفیل احمد منگوری کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔

دنیا کی ہر زبان انسانی شعور کی علامت ہے اسی لئے یہ (زبان) انسانی معاشرت کے ساتھ ارتقائی منازل طے کرتی ہے۔ انسانی شعور اسے نکھارتا، خیال اور فکر اسے روشنی دیتے ہیں۔ مختلف تہذیبی عوامل قدرتی عناصر، مسلسل میل جول اور رسوم معاشرت گھل مل کر صدیوں میں جا کر کسی زبان کے خدوخال اجاگر کرتے ہیں۔ اُردو زبان بھی ان ہی مراحل سے گزری اور اس کی جڑیں ہندوستانی معاشرت میں پیوست ہیں۔ کانفرنس اُردو زبان وادب کی ترقی کی طرف بھی خاص توجہ دی اس کی کوشش تھی کہ اُردو ادب کو عام فہم، سادہ اور پُر تاثیر بنایا جائے بقول سیّد سلیمان ندوی:

'۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو زبان کا سب سے پہلا حقیقی منصف جس نے زبان کو ہر قسم کی سیاسی، تعلیمی، مذہبی، علمی اخلاقی مباحث اور مضامین کے قابل بنایا وہ سیّد احمد تھے'[۷]۔

سیّد احمد کے زیر اثر قلم کاروں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جس نے اُردو زبان کی بقا اور تحفظ کے لئے ہمیشہ سرگرمیٔ فکر و عمل کا مظاہرہ کیا۔ اس گروہ میں محسن الملک، نذیر احمد، الطاف حسین حالی، مولانا شبلی، ذکا اللہ، چراغ علی، مولانا طفیل منگلوری، مولانا ظفر علی خاں، عبدالماجد دریا آبادی، راشد الخیری، سیّد سلیمان ندوی وغیرہ جیسے ادیب، مورخین اور مصنفین شامل تھے۔ کانفرنس نے انہی حضرات کی سربراہی میں اُردو زبان کی بقا اور تحفظ کے لئے بڑا کام کیا۔ اس سلسلہ میں کانفرنس نے ۱۹۰۳ء میں شعبہ 'ترقی اُردو' قائم کیا[۸]۔ اس شعبہ نے اُردو علم وادب کو ترقی دینے کے لئے جو تدابیر اختیار کیں ان میں سب سے اہم مختلف زبانوں میں لکھی گئی کتب کا اُردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ ان تراجم سے لوگوں کے علمی اور ادبی شوق میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۱۲ء مولوی عبدالحق نے اس شعبہ کے سیکرٹری مقرر ہوئے انہوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے دو سال کے عرصے میں ساڑھے سات ہزار روپیہ جمع کیے جو کانفرنس کی طرف سے امداد کے علاوہ تھے آخر ۱۹۲۰ء میں اس شعبہ نے 'انجمن ترقی اُردو' کی شکل اختیار کر لی[۹]۔

ہندوستان کے مختلف مقامات پر اس کی شاخیں قائم کی گئی، کتب خانے کھولے گئے۔ ہر سال یہ شعبہ کتابوں کی ایک معقول تعداد انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کروا کر شائع کرتا اس اقدام سے اُردو ادب کا جو خزینہ تیار ہوا اس نے اُردو ادب کو دُنیا کی بڑی زبانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ انجمن نے کئی رسالے اور اخبارات جاری کیے اور ایک منضبط پالیسی کے تحت عام فہم زبان میں کتب لکھوائیں اور ترجمہ کروا کر شائع کیں جن سے اُردو تحقیق و تنقید میں نئی جہتوں اور منفرد زاویوں کا اضافہ ہوا۔ کانفرنس اور انجمن ترقی اُردو کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی چند کتب کی فہرست درجہ ذیل ہے:

الجزیہ، مضمون کتب خانہ اسکندریہ، حقوق الذمّین، مسلمانوں کی ترقی و تنزلی کے اسباب، ابوریحان البیرونی کی زندگی، کتاب کلیہ و دمنہ کے تاریخی واقعات، طبقات الاطبا (ترجمہ)، دی ماسٹر پیس (ترجمہ)، سوانح عمری شیخ عبدالحق محدث دہلوی، سوانح عمری شاہجہاں بیگم، سب رس، ریاض الصفحا، تذکرہ ہندی گویاں، نکات الشعراء، دیوانِ نصرتی، معراج العاشقین، حیات محسن، حیات وقار، ہمایوں نامہ، صولت شیر شاہی، سلاطین مصر، شکنتلا (ترجمہ)، فاوسٹ (ترجمہ)، مقالات گارساں دتاسی (ترجمہ)، بوطیقا (ترجمہ)، کیفیہ، اور قواعدِ اُردو وغیرہ ان کے علاوہ کانفرنس نے قومی رہنماؤں کے خطبات اور مضامین کے مجموعے بھی شائع کیے[10]۔

اُردو صحافت کے سلسلے میں اُردو اخبارات کی ترقی و اصلاح پر بھی کانفرنس نے خصوصی توجہ دی۔ آغاز میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، اخبار سائنٹیفک سوسائٹی اور تہذیب الاخلاق نے اہم اور بنیادی کردار ادا کیا اور پھر کانفرنس کی طرف سے 'کانفرنس گزٹ' کے نام سے ایک اخبار شائع کیا (جو ۱۹۸۸ء تک برابر شائع ہوتا رہا)۔ ان اخبارات نے اُردو صحافت کے لئے رول ماڈل کا کردار ادا کیا۔ اُردو پریس کی اصلاح و تنظیم کے لئے اُردو پریس ایسوسی ایشن قائم کی جو اُردو اخبارات کی پہلی تنظیم تھی[11]۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ان تمام اقدامات اور کوششوں سے اُردو زبان و ادب کے حوالے سے جو شعور و آگہی اور دلچسپی پیدا ہوئی اس کے نتائج بڑے دور رس ثابت ہوئے۔ اُردو زبان و ادب کے تحفظ کے لئے جو جدوجہد کانفرنس نے کی اور اس میں وہ جس حد تک کامیاب ہوئی اُسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ امان اللہ خاں شیرانی، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سو سال، سلطان جہاں منزل علی گڑھ، ۱۹۹۴ء، ص ۵۱۔

۲۔ آغا حسین ہمدانی (مرتب)، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس دستاویزات خطبات، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد، ۱۹۸۰ء، ص ۲۱۔

۳۔ انوار احمد زبیری مارہروی مولوی، خطبات عالیہ یعنی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے چوبیس (۲۴) سالہ خطبات صدارت کا مجموعہ، مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ، ۱۹۷۶ء، ص ۲۷۔

۴۔ امان اللہ خاں شیرانی، بحوالہ سابقہ، ص ۲۲۔

۵۔ انوار احمد زبیری مارہروی مولوی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۹۹۔

۶۔ ایضاً، ص ۲۰۳۔

۷۔ ہاشم فرید آبادی (مرتب)، تاریخ انجمن ترقی اُردو، انجمن ترقی اُردو پاکستان کراچی، ۱۹۵۳ء، ص ۱۶۲۔

۸۔ عبارت بریلوی، ڈاکٹر، خطبات عبدالحق، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، ۱۹۵۲ء، ص ۳۳۔

۹۔ ہاشم فرید آبادی (مرتب)، بحوالہ سابقہ، ص ۲۳۲۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۴۱۔

۱۱۔ عبدالسلام خورشد، ڈاکٹر، صحافت پاکستان و ہند میں، مجلس ترقی ادب ۲ کلب روڈ، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۱۰۳۔

☆☆☆

امدادی کتب

۱۔ پی سی جوشی، محمد علی فاروقی، انقلاب ۱۸۵۷ء، مکتبہ اخوت ۲۲، اُردو بازار، لاہور، ۱۹۸۱ء۔

۲۔ راجہ طارق محمود، سرسید احمد خان، بک کارنر جہلم پاکستان، ۱۹۸۸ء۔

۳۔ سیّد الطاف بریلوی، تعلیمی مسائل پس منظر اور پیش منظر، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی، ۱۹۶۵ء۔

۴۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، اُردو صحافت کی تاریخ نویسی (معیار اور مسائل)، مشمولہ ابلاغیات (پہلی کتاب)، کراچی، ۱۹۸۶ء، ص ۱۴۶۔

۵۔ سرسیّد احمد خان تہذیب الاخلاق، یکم جمادی الثانی، ۱۲۸۸ ہجری، جلد ۲، نمبر ۹۔

۶۔ الطاف حسین حالی، مولانا حیات جاوید، دوست ایسوسی ایٹس، اُردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳ء۔

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، پاکستان میں اُردو رسائل کی تاریخ (ابتدا تا ۱۹۸۵ء) اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء۔

☆☆☆